نظیر اکبر آبادی کی غزلیات میں بصری پیکر تراشی

طارق بشیر، پی ایچ ڈی سکالر شعبۂ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ڈاکٹر نذر عابد، صدر شعبۂ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ABSTRACT:

A poet create different images in his poetry. These poetic images helps in comprehension of the poetry. Such poetic images make dynamics the different senses of the reader or listener. Visual image is one of the most important type of poetic images. In this article the author have brought forward the critical analysis of Visual images found in the Ghazliat-e-Nazir Akbar Abadi, a famous poet of urdu.

کلیدی الفاظ: تمثال، پیکر، محاکات، تصویر، تخیّل، مترادفات، حواس خمسہ، حِس، باصرہ، سامعہ، تیز نگاہی، خیالی لبادے، دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے، ذائقے، تماش بین، محبوب، مرقّعے، متحرک، ارتعاش، رنج والم، منظر، برانگیختہ، حُسن، حسین، اجالنے، سیمابی چہرہ۔

شاعری انسانی جذبات کے خوب صورت اظہار کا نام ہے۔ یہ جذبات، تجربات، میلانات، رجحانات اور مشاہدات جب تخیّل کی رنگین آمیزش کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں تو شاعرانہ حسن کا روپ دھار لیتے ہیں۔ خیال کی پختگی، رنگینی، وسعت اور عظمت جب لفظوں کے حسین انتخاب سے وجود میں آتی ہے تو شاعری جذبات کے اظہار کے خوب صورت پن کو پیش کرتی ہے۔ شاعر اپنے تخیّل کے زور پر شاعرانہ فن کا مظاہرہ کرتا ہے، تو خوب صورت شعری پیکر وجود میں آتے ہیں۔ پیکر تراشی ایک فن ہے۔ جذبات کی تصویر کشی ہے، عالم محسوسات کا جہاں ہے، مصور کی تصویر سازی شاعر کے فن کارانہ اظہار اور حسن کا بیان ہے۔

پیکر کے لغوی معنی شکل وصورت یا خیالی تصویر کے ہیں۔ یعنی ایسی تصویر جو کسی شاعر کی ذہنی اختراع ہو پیکر ہے۔ پیکر انگریزی لفظ امیج کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو امیج کے مختلف مترادفات اُردو میں مستعمل ہیں۔ مثلاً پیکر، تمثال، محاکات، تصویر وغیرہ۔ تمثال کے لغوی مفہوم کو دیکھا جائے تو یہ الفاظ ایک دوسرے کے ہم معنی قرار دیئے جاتے ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے ''پیکر'' کی تعریف یوں کی ہے:

"ہر وہ لفظ جو حواس خمسہ میں سے کسی ایک یا کسی ایک سے زیاہ کو متوجہ اور متحرک کرے پیکر ہے، یعنی حواس کے اس تجربے کی وساطت سے ہمارے متخیّلہ کو متحرک کرنے والے الفاظ پیکر کہلاتے ہیں"۔(۱)

ایک یا ایک سے زیادہ حسیات کو تحریک میں لانے کا نام پیکر ہے۔ الفاظ سے ایسی تصویر بنائی جائے جو قوتِ حِس کو متحرک اور جس کی مدد سے بیان میں وسعت و جامعیت پیدا ہو جو پڑھنے والے کے ذہن کو شاعر کے بیان کی طرف موڑلے تمثال یا پیکر کہلاتی ہے۔

پیکر تراشی میں حواس خمسہ کے عنصر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ماہرین نفسیات انسانی جسم میں حس کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہیں۔ انسان کی زندگی کے داخلی اور خارجی معاملات سے قوت حس کے بغیر لطف اندوز نہیں ہوا جا سکتا۔ حس کی تعریف اُردو ڈکشنری بورڈ کی لغت میں ان الفاظ میں کی گئی ہے:

"حواس خمسہ میں سے کوئی حس محسوس کر لینے کی جبلت، احساس کی طاقت حواس Senses اور ادراک یعنی Preception کا مطالعہ علم نفسیات کی ذیل میں آتا ہے۔ حس ہماری ان قوت کا نام ہے جو ہمیں دیکھنے، سننے، سونگھنے، چھونے اور چکھنے میں مدد دیتی ہے"۔(۲)

فیروز اللغات اُردو میں حس کا مفہوم کچھ یوں درج ہے:

"حس محسوس کرنے کی قوت"۔(۳)

ان تعریفوں کی رو سے دیکھا جائے تو حس وہ قوت ہے جس سے دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کی کیفیات سے گزرا جاتا ہے۔ انسان اپنے ماحول سے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں مختلف اثرات قبول کرنے کے لیے مختلف اعضائے تحسات سے کام لیتا ہے۔ مثلاً روشنی کے لیے آنکھ، آواز کے لیے کان، خوش بو وغیرہ کے لیے ناک، ذائقہ چکھنے کے لیے زبان، چھونے کے لیے جسم کی جلد وغیرہ سے کام لیا جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات کی رائے میں حواس کے ذریعے ہی کسی چیز کے بارے میں علم حاصل کیا جاتا ہے۔ تمام حواس اپنی جگہ مسلّم ہیں لیکن دو حواس باصرہ اور سامعہ کی کلیدی اہمیت ہے۔ حس باصرہ کو تمام حواس کی ملکہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی وہ حس ہے جس کے ذریعے شاعر کی تیز نگاہی اور گہری نظر کسی منظر، واقعے، حادثے، تجربہ اور مشاہدے کو دیکھتی ہے اور خوب صورت منظر کو یاد رکھ کر اپنے تخیّل میں لے جا کر سنوارتی ہے۔ واقعات و تجربات کی جو فلم شاعر کے ذہن میں خیالی لبادے

میں لپٹ کر پیش کی جاتی ہے اس کا بنیادی محرک اور جواز حس باصرہ (آنکھ) ہی ہے۔ ''مراۃ الشعر'' میں مولوی عبدالرحمن نے اس حوالے سے لکھا ہے:

" کبھی حالات وواقعات کا احساس جذبات کی حد سے گزر کر شاعر کے دل ودماغ پر ایک گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اور فی الجملہ دیر پا خیال پیدا کرتا ہے۔ شاعر ایسی خیالی تصویریں جو وقتاً فوقتاً اس کی آنکھوں میں پھرتی رہتی ہیں الفاظ کی ضاعی سے کلام میں لے آتی ہیں"۔ (۴)

یہ حس اتنی متحرک ہے کہ خیال کو برانگیختہ کرتی ہے اور یادوں کے توسط سے تصویر سازی کا عمل شروع ہوتا ہے۔ آنکھ اس سارے عمل کو رنگین بنانے میں اپنا مرکزی کردار ادا کرتی ہے۔ قوتِ بصارت کی اہمیت اور افادیت کے حوالے سے عابد علی عابد کا خیال یہ ہے:

"فن کار اصلاً قوتِ بصارت سے کام لے کر جن چیزوں کو ہم تک منتقل کرنا چاہتا ہے۔ انھیں سلسلہ تصاویر کی شکل میں دیکھتا ہے۔ لوگ سنیما کے کھیل کے لیے منظر نامہ لکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جذبات ہوں یا افکار، اچھا منظر نگار انھیں تصویروں کی صورت میں دیکھتا ہے اور اس کے لیے وہ استعارے سے بھی کام لیتا ہے۔ لیکن زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ اس کے ادراک کی تمام قوتیں اور اس کے حواس کی تمام صلاحیتیں گویا بصارت کو اپنا محور بنا لیتی ہیں اور اسی محوّر پر ہر چیز گھومتی ہے۔" (۵)

یہ حس کمال مہارت سے قوتِ تخیّل کو ایسی تصویریں اور مواد فراہم کرتی ہے جس سے پیکر کی تخلیق میں مدد ملتی ہے۔ اس بصری حس کی مدد سے روشنی، اندھیرا، اجالا، چمک اور رنگ سمیت دوسرے عوامل کو پیش کیا جاتا ہے۔ خارج سے داخل کے سفر تک تخلیق کار زندگی اور اس کے معاملات کو علامتی اور تمثالی انداز میں پیش کرتا ہے تو یہ بصری قوت قدم قدم پر ساتھ چلتی ہے۔ اس قوت کی بدولت شاعر ان تصویروں میں رنگ بھی بھرتا ہے اور متحرک بھی کرتا ہے۔

شاعری انسانی جذبات اور خیالات کی لفظی تصویر کا نام ہے۔ نظیرؔ کی آزاد منش شخصیت زندگی کے قوس قزح جیسے رنگوں سے مزّین ہے۔ وہ ارضی رنگوں سے بھرپور ہے۔ نغموں اور خوش بوؤں سے بھرپور لطافتوں سے پروان چڑھی ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات اور مواد کا تعلق حواس خمسہ سے ہے۔ ان کی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، ان کے

کان جو سنتے ہیں ان کا قلم وہی کچھ لکھتا ہے۔ نظیرؔ کا کمال یہ ہے کہ لفظ اور خیال کے ملاپ سے ایسی خوب صورت مصوری کرتے ہیں کہ نہ صرف ایک تصویر بنتی ہے بل کہ خوب صورت پیکر میں ڈھل جاتی ہے۔

نظیرؔ اپنے حواس کے ذریعے شعر کی تخلیق میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ تخیّل اور جذبے کی شدت سے قوتِ مشاہدہ کی مدد سے رومانی فضا قائم کرتے ہیں ۔شاعری میں پیکر تراشی شاعر کے تجربات،احساسات، مشاہدات اور جذبات کی شدت، خیال کی بلندی، حسن فطرت اور مطالعۂ کائنات کے زور پر منحصر ہے۔

نظیرؔ کی غزل میں واضح ، پر کشش اور متحرک پیکروں کا ایک جہاں آباد ہے۔وہ ان لفظی تصویروں کے ذریعے خوب صورت امیج بناتے ہیں جو ان کی تخیّلاتی دنیا کو حقیقت کے جہاں تک لاتے ہیں۔ان کے ہاں تمام حسیات برابر کام کرتی دکھائی دیتی ہیں لیکن قوتِ بصارت نے زیادہ کام دکھایا ہے۔وہ تماش بین تھے۔وہ زندگی کے نغموں سے استفادہ کرناجانتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ انھوں نے زیست کی رونقوں کو بصری حس کی مدد سے محسوس کیا ہے۔ان کے بصری پیکر حیات اور اس کے حسن کے گرد گھومتے ہیں۔وہ حسن پرست ہیں اور حسن سے لطف اندوز ہونا جانتے ہیں ۔زندگی سے لطف اندوز ہو کر اس کے حسین لمحات کو غنیمت سمجھتے ہیں۔

وہ کسی ایک بت کے عاشق یا چاہنے والے نہیں بل کہ اس جہانِ رنگ و بو کے میلے میں محبوبائیں اور حسینائیں نظر آتی ہیں۔جن سے مل کر وہ دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ نظیرؔ کی غزل میں حسن وعشق کا اظہار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ وہ حسن کے خارجی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ان کی حسن پرست طبیعت مظاہر ومناظر میں حسن کی متلاشی رہتی ہے۔ اسی پس منظر میں بصری پیکر تراشتے ہیں۔یہی بصری احساس اور ادراک شعر کو تصویر کی شکل میں منتقل کرتا ہے۔ محبوب کے سراپا کا اظہار کرتے ہوئے مناظر اور مظاہر فطرت سے تمثالیں پیش کرتے ہیں۔حسن کے رنگارنگ جلوؤں کی دلیلیں فطرت کے نظاروں سے دیتے ہیں۔

غزلیاتِ نظیرؔ میں بصری پیکر اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ وہ منظر نگار، محاکات نگار، جزئیات نگار، نقاش، مصور اور پیکر ساز تھے۔ نظیرؔ پیکر سازی میں قاری کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔وہ خود بھی لطف اندوز ہوتے ہیں اور پڑھنے والوں کو بھی اپنا ہم نوا بنا لیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ لفظوں سے بنائی گئی تصویروں سے قاری ان کے تجربات اور احساسات تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ نظیرؔ کو یہ دسترس حاصل ہے کہ وہ الفاظ سے تصویر بنانے کا گر جانتے ہیں۔

آرسی نے ایسی دیکھی حسن میں کس کی طرح
جو کھلی ہی رہ گئی آنکھ اس کی نرگس کی طرح
محفل خوباں میں آیا جس گھڑی وہ مہ جبیں
ہو گئی وہ انجمن انجم کی مجلس کی طرح (۶)

کھلی آنکھ کو نرگس کے پھول سے تشبیہ دے کر آنکھ کے حسن کی تصویر کشی کی گئی ہے اور حسیناؤں کی محفل میں محبوب کی موجودگی کو اس خوب صورتی سے تمثالی انداز میں پیش کیا ہے کہ جس طرح چاند کی محفل میں ستاروں کا ٹمٹمانا اور موجود ہونا ہے مہ جبیں اور انجم سے ایسا تصوراتی مرقع کھینچا گیا ہے کہ محبوب کے حسن اور وجود کے ساتھ چاند اور ستاروں کی وابستگی ظاہر کی گئی ہے۔ چاند کی محفل میں ستاروں کا وجود اور محبوباؤں کی انجمن میں مہ جبین کا ہونا ایسی متحرک بصری تصویری جھلکیاں ہیں جن میں امیج کی بصری خصوصیات تمام تر جدت اور رعنائی کے ساتھ موجود ہیں۔

شب مہ میں دیکھ اس کا وہ جھمک جھمک کے چلنا
کیا انتخاب مہ نے یوں چمک چمک کے چلنا (۷)

شب تاریک میں مہ کا جھمک کر چلنا، چاندنی رات کے نظارے کا دل کش پہلو ہے جو بصری اعتبار سے مکمل حرکی تصویر کو نمایاں کرتا ہے۔ مہ کی چال ڈھال اور چمک دمک کو تشبیہاتی قرینے سے اس طرح پیکر میں ڈھالا ہے کہ مہ کے پس منظر میں محبوب کا تصور اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ اپنے وجود کو تسلیم کراتا ہے۔

اگر کہوں میں کہ چمکا وہ برق کی مانند
تو کب مثل ہے یہ اس کی جو بے مثال ہوا (۸)

نظیرؔ کا کمال یہ ہے کہ وہ مصور کی طرح لفظی مرقعے کھینچتے ہیں۔ یہاں شعر میں برق کی چمک اور کڑک بیک وقت سمعی اور بصری حسیات کو متحرک کرتی ہے جس سے رعد اور چمک کی گرج دار ندا اور چمک قاری کو اپنے حصار میں لے کر منظر سے آشنا کرتی ہے۔

میرا اور اس کا اختلاط ہو گیا مثل ابر و برق
اس نے مجھے رلا دیا میں نے اسے ہنسا دیا (۹)

مذکورہ شعر میں ابر اور برق کو ہنسنے اور رلانے سے تشبیہ دے کر ایک ایسا منظر بنایا ہے کہ قاری کو گہرے کالے بادلوں میں بجلی کی کڑک اور چمک کو مظاہر فطرت کے حسن کے ساتھ دیدنی سطح پر محسوس کرتا ہے۔ اس منظر اور تصویر میں ابر

کے لیے رونااور برق کے لیے ہنسنا دو متضاد تصویریں ہیں۔ یہ تصویریں قوتِ دید میں ارتعاش پیدا کرتی ہیں اور قاری کے سامنے برسات کا مکمل منظر لے آتی ہیں۔ نظیرؔ کی ایک مشہور نظم "برسات کی بہاریں" بہت مشہور ہے جس میں اسی نوعیت کی منظر کشی کی گئی ہے۔

یوں آئینے میں عارض تر آئے ہے نظر
پانی میں جیسے عکس قمر آئے ہے نظیر (۱۰)

درج بالا شعر میں خوب صورت تشبیہ کے ذریعے پیکر تراشا گیا ہے۔ آئینے کی صفائی کو پانی کے صاف و شفاف ہونے سے مشابہت پیدا کر کے پانی میں چہرے کی "عکس قمر" جیسی تصویر کو جلوہ گر کر کے قابلِ دید بنایا گیا ہے۔ پانی میں عکس کے منظر کے حوالے سے سید محمود رضوی مخمور اکبر آبادی یوں رقم طراز ہیں:

"یہاں نظیرؔ کی فطرت پرستی مسلم ہے۔ وہ اپنے ماحول سے متاثر ہونے کی جتنی صلاحیت رکھتے تھے اتنی بہت کم شعرا میں پائی جاتی ہے، انھوں نے چاند کا عکس پانی میں دیکھا اور اس حسین منظر سے بہت متاثر ہوئے۔ اس منظر نے ان کے قلب کا جو حال کر دیا ہے وہی اس سے خوب واقف تھے"۔ (۱۱)

وہ مکھڑا گل سا اور اس پر جو نارنجی دوشالا ہے
سحر خورشید نے گویا شفق سے سر نکالا ہے (۱۲)

گل سا مکھڑا اور نارنجی دوشالا، سحر خورشید کا شفق سے سر نکالنا ایک طرف مظاہرِ فطرت کی دل کش تصویر کشی ہے تو دوسری طرف خوب رو حسینہ کی تصویر کا پیکر تراشا گیا ہے، جس سے نظیرؔ کے شوق حسن کی جھلک ملتی ہے۔ پیکر کو تشبیہاتی وضاحت کے ساتھ اجالا گیا ہے۔ شفق کے پردے میں خورشید کا طلوع ہونا منظریہ شاعری کی عمدہ مثال ہے۔ قاری طلوعِ آفتاب کا منظر بھرپور چمک دمک اور آب و تاب کے ساتھ قوتِ بصات پر محسوس کرتا ہے۔ اس شعر میں گل سا مکھڑا، نارنجی دوشالا، سحر خورشید اور شفق ایسے مکمل بصری امیجز ہیں، جو بصری حس کو متحرک کرنے کی خصوصیات رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ نارنجی دوشالا ہندوستانی تہذیب کی بھی تصویر پیش کرتا ہے۔

نظیرؔ کی شاعری کا خارجی پہلو خاصا جان دار ہے۔ خارجیت میں ان کے نزدیک مناظر فطرت خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ نظیرؔ مناظرِ قدرت سے سچی دل چسپی اور لگن رکھتے ہیں۔ وہ فطرت کو اپنی زندگی میں لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ ان کے

نزدیک رنگینی اور دلکشی انسانی فطرت میں شامل ہیں۔ نظیرؔ کی شاعری جذبات واحساسات کی شاعری ہے جو حسی پیکروں سے مزّین ہے۔ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ لکھتے ہیں:

"نظیرؔ کی شاعری حسی پیکروں سے مملو ہے۔ وہ ہمارے حواس کو متوجہ کرتے ہیں اور ہمارے احساسات وجذبات پر چھا جاتے ہیں۔ نظیرؔ نے اس انداز سے مناظرِ قدرت کی تصویر کھینچی ہے کہ دل اور آنکھ اس منظر کی مشتاق ہو جاتی ہیں اور وہ منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔"(۱۳)

شمع کا پیکر اہلِ عشاق کے نزدیک خصوصی اہمیت رکھتا ہے جو اپنے مخصوص روشن پہلو کو اندھیرے میں پیش کرتا ہے۔ جو انتظار کی بے چینی اور تذبذب کی کیفیت کو تمثالی انداز میں قاری تک پہنچاتا ہے۔

محفل میں ہوئی ہو گی یاد اس کو بہت میری
جب شمع کے شعلے سے پروانہ جلا ہوگا (۱۴)

اس شعر میں محفل، شمع، شعلے، پروانہ اور جلا ہوگا ایسے امیج ہیں جو فوری طور پر انسان کے اندر بصری احساس کو بیدار کرتے ہیں۔ شمع اور پروانہ نظیرؔ کے مخصوص پیکر ہیں۔ نظیرؔ نے اس منظر کو انتہائی خوب صورت پیکر میں ڈھالا ہے خود کو پروانہ اور محبوب کو شمع قرار دے کر تشبیہ کے زور پر امیج میں جان پیدا کی ہے۔ شعر میں تھوڑے سے مختلف مفہوم کے ساتھ نظیرؔ شمع کے پیکر کو ایک نئے انداز سے پیش کرتے ہیں:

تمہارے حسن کے شعلے کو دیکھے شمع جلتی ہے
چھپی ہے پردۂ فانوس میں جس پر پگھلتی ہے (۱۵)

شمع کا جلنا اور فانوس (شمع دان) میں پگھلنا یہ منظر آنکھوں کے سامنے تصویر بن کر ابھرتا ہے جو دیدنی ذوق کو ابھارتا ہے اس سے بصری پیکر نمایاں ہوتا ہے۔ شمع کا جلنا اور پگھلنا کا لفظی ارتباط شعر کے بصری حسن کا خوب صورت اظہار ہے۔ شمع کا پگھلنا شمع کے آنسو بہانے سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، یہاں انوکھی بات یہ ہے کہ نظیرؔ کے محبوب سے جلن کا اظہار شمع کے جلنے سے ثابت ہوا ہے لیکن جلنے کے ساتھ ساتھ رونا بھی ہے۔ اردو کے بڑے شعرا نے شمع کی تشبیہ عام کو بیان کیا ہے۔اس حوالے سے پروفیسر نذیر احمد کا خیال ہے:

"قدما کے کلام میں شمع کی تشبیہ عام ہے۔ شمع کی کئی صفات ہیں جو وجہ تشبیہ بنتی ہیں۔ مثلاً خود جلنا اور دوسروں کو روشنی دینا اور پگھلنا، اس کی زندگی کا مختصر ہونا وغیرہ وغیرہ"۔(۱۶)

نظیر کے ہاں یہ علاتی پیکر اپنے پس منظر میں ایک خاص پیغام کو قاری تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ شمع کا وجود جلنے سے پگھلنے تک قربانی اور انتظار کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختصر ہونے کا سبق دیتا ہے۔

مندرجہ بالا بصری پیکروں میں نظیرؔ کی قوتِ مشاہدہ جلوہ گر ہے۔ وہ زندگی کی سچی حقیقت کو شاعرانہ انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں کہ تصویر اور منظر آنکھوں کے سامنے پھرتا نظر آتا ہے۔ یہ نظر کی فن کاری کا مظہر ہے۔ شکیل الرحمٰن نظیرؔ کے اس طرزِ شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نظیرؔ کا وژن ایک مصور کا وژن ہے تصویر کاری کی خوب صورت تکنیک کے لیے مناسب لفظوں کا فن کارانہ استعمال ملتا ہے"۔(۱۷)

نظیر کے بصری پیکروں میں روشنی اور چمک کی تمثالیں محبوب کے حسین چہرے کو نمایاں کرنے کے لیے زیادہ نظر آتی ہیں۔اس حوالے سے آفتاب، مہتاب، مہ، بدر، چاندنی، شمع اور پروانہ کی روشن، چمک اور نوارانی تمثالوں کو تواتر کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس طرح کے پیکروں سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نظیرؔ "دید باز" یا تاڑ باز انسان تھے جن کی نظر سے کوئی بھی روشن اور متحرک چیز بچ کر نہ جا سکی۔

نظیرؔ کو محبوب کی قربت حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزل میں روایتی شعرا کی طرح ہجر و فراق کا رونا نہیں۔ وہ حسن کو دور سے دیکھنے کے بجائے قریب سے دیکھنے کے قائل ہیں۔قربت کی وجہ سے محبوب کے سراپا اور اعضائے بدن کی جو مصوری نظیرؔ کے ہاں ملتی ہے وہ دوسرے شعرا کے نصیب میں نہیں ہے۔

شعرا نے محبوب کی زلف کو جزوِ حسن قرار دے کر اپنی طرز احساس کا اظہار کیا ہے۔ لیکن نظیرؔ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ انھوں نے محبوب کی زلف کو ہر زاویے اور انداز سے اپنی غزلیہ شاعری کا حصہ بنایا ہے۔زلف کے حسن اور خوش بو سے نظیرؔ نے متعدد بصری پیکر تراشے ہیں۔

نظیرؔ کی غزلوں کے درج ذیل اشعار دیکھیے:

چوٹی کی گندھاوٹ کہیں دکھلاتی ہے لہریں
رکھتی ہے کہیں زلف پریشاں تماشا (۱۸)

بالوں کی گند ھاوٹ کو گڈ مڈ آبی لہروں سے تشبیہ دینا بصری تشبیہ کی عمدہ مثال ہے۔اسی طرح کھلے بال بھی ہوا سے بکھرتے ہیں۔عاشق کی پریشان خاطری کا سامان بنتے ہیں۔ بالوں کی گندھاوٹ اور لہریں بصری نوعیت کی ایسی تمثالیں ہیں جو پردۂ بصارت پر ہلچل پیدا کرتی ہیں۔

جو زلف جھٹکے تو مکھڑا ٹپکے جو مکھڑا ٹپکے تو زلف جھٹکے

یہی دلوں کی خرابیاں ہیں جو دیکھے لیل و نہار ہم نے (۱۹)

زلفوں کے جھٹکنے اور مکھڑے کے ٹپکنے سے زلفوں ک سیاہی اور مکھڑے کے نور کا متحرک بصری نظارہ پہلی نظر میں پیکر کے جمالیاتی پہلو کو پرکشش بناتا ہے۔سیاہ زلفوں میں سیمابی چہرہ اور اس تناسب سے لیل و نہار کے استعارے لانا تصویر کے حرکی پہلو کو بصری خوبی کے ساتھ نمایاں کرتا ہے۔ لیل و نہار صنعت تضاد بھی ہے اور اس شعر میں صنعت لف و نشر نے بھی پیکر کو دل فریب بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔سفید اور سیاہ کے باہمی تقابل تضاد سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ قوتِ باصرہ میں تحریک پیدا کرتی ہے۔

واں ابرو مژگاں کے ہیں تیغ و سنان چلتے

ٹک سوچ تو میں تجھ کو کس کس سے بچا لوں گا (۲۰)

مندرجہ بالا شعر میں تشبیہات کے زور پر خوب صورت پیکر تخلیق کیا گیا ہے۔ابرو اور مژگاں کو تیغ اور تیروں سے تشبیہ دی ہے۔پلکوں کے بال تیروں کی مانند ہیں۔ایک طرف تلواروں کے وار چلتے ہوں اور دوسری طرف تیروں کی بارش ہو رہی ہو تو جنگ و جدل کا منظر قاری کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ عشق کے میدان میں عاشق محبوب کی تیغ و سنان کا شکار ہوتا ہے جس کی مصوری متحرک بصری پیکر کا احساس دلاتی ہے۔

کسی چشم سے تیر مژگاں لگیں گے

کسی کا دل ان کا نشانہ رہے گا (۲۱)

چشم کے تصور سے محبوب کے حسنِ دو نین کی تصویر قاری کے پردۂ بصارت پر نمودار ہوتی ہے۔ تیر مژگاں کی شاعرانہ ترکیب سے محبوب کی پلکوں کا جمالیاتی خاکہ اپنے تمام تر جلوۂ حسن کے ساتھ اس طرح ابھرتا ہے کہ دل تیر نظر کا شکار ہو جاتا ہے۔ کسی کا دل اور کسی کی چشم میں صنعت تجاہلِ عارفانہ سے کام لے کر پیکر کو تخلیق کیا ہے۔

نظیرؔ کی غزلوں میں خارجیت کا جو عمل دخل ہے اس سے ان کی غزلیہ شاعری میں پیکر سازی کا معیار بہتر ہوا ہے۔ان کی شاعری داخلیت و خارجیت کے میلاپ سے قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے، وہ جو کچھ دیکھتے ہیں اس سے ان کا اندر کا انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات اور نگاہوں سے گزرنے والے مظاہرِ فطرت کو تشبیہ و استعارات کا لبادہ اوڑھ کر بیان کرتے ہیں جس سے تاثیر کا پہلو غالب رہتا ہے۔ملک زادہ منظور احمد اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

"انھوں نے اکثر جگہوں پر اپنی تشبیہات و استعارات کو زندگی میں ہونے والے اور نگاہوں کے سامنے سے گزرنے والے مظاہر سے ماخوذ کیا ہے۔ان کی غزلوں کا بیشتر حصہ خارجیت کے مفہوم میں آتا ہے مگر جب کبھی وہ داخلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں تو ان کو ان خارجی علامتوں میں ظاہر کرتے ہیں جو عوامی زندگی اور مشاہدے کا جزو لاینفک ہوتی ہیں" (۲۲)

یہ برق ابر میں دیکھے سے یاد آتی ہے
جھلک کسی کے دوپٹے میں نورتن کی سی
جو دل تھا وصل میں آباد، تیرے ہجر میں آہ!
بنی ہے شکل اب اُس کی اجاڑ بن کی سی
تو اپنے تن کو نہ دے نسترن سے اب تشبیہ
بھلا، تو دیکھ یہ نرمی ہے تیرے تن کی سی؟ (۲۳)

ان اشعار میں تمثالوں کی مختلف صورتیں اور جہتیں آشکارا کی گئی ہیں۔ برق، ابر، نورتن، ہجر، وصل، آہ، اجاڑ بن، تن کی نرمی، دوپٹے کی جھلک یہ سب اپنے پس منظر میں پیکروں کی خصوصیات رکھتے ہیں۔ برق کی چمک ابر کے سیاہ منظر میں نمایاں ہو کر کڑک اور چمک سے بصری سطح پر تصویریت کا عمل انجام دیتی ہے۔ نورتن کے نو موتی اپنی قدر و قیمت کا احساس دلا کر دوپٹے کی جھلک کو چار چاند لگا دیتے ہیں جس سے جمالیاتی اعتبار سے حسن نکھرتا ہے۔ وصل و ہجر کے تضاد نے وفا و جفا کے ساتھ ساتھ وصل کی رنگینیاں اور ہجر کی سختیاں اس انداز سے اجاگر کی ہیں کہ یہ بصارت کے عمل سے بھی گزرتی اور احساس بھی دلاتی ہیں۔ "آہ" دل مہجور کی داخلی رنج والم کی پکار ہے جو سماعت کے پردوں سے ٹکرا کر عالم میں پھیلتی ہے اور ایسے اجڑتے منظر کا دعوتِ نظارہ دیتا ہے جو رنگینیوں اور آسائشوں سے خالی ہے اور زندگی کے غم اور

خوشی کے تصور کو پیش کرتا ہے۔ پہلے شعر میں دو خوب صورت تشبیہات کی مدد سے تصویر بنائی گئی ہے۔ بادل کی اوٹ سے بجلی کے چمکنے کو دوپٹہ کے اندر نور تن کی چمک سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ چمک دمک اور جھلک دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور بصری حس کو تحریک دیتی ہے۔ دوسرے شعر میں بھی خوب صورت اور مکمل تشبیہ بیان کی گئی ہے۔ دل مہجور کو اجاڑ بن سے تشبیہ دے کر طبیعت کی افسردگی اور قلبی سوز کی عکاسی کی گئی ہے۔

ان اشعار میں برق سے چمک، ابر سے بادل، نور تن کی چمک، دل ویران، گل نسترن سب الفاظ و تشبیہات دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں جو باصرہ کو متحرک کرتے ہیں۔ سید محمود رضوی مخمور اکبر آبادی نے ان اشعار پر یوں تبصرہ کیا ہے:

> "نور تن اور اجاڑ بن کی تشبیہیں میاں جی کی خصوصیات میں سے ہیں۔ نور تن بازو کا زیور ہے اور اس کی جھلک جب ہی نظر آسکتی ہے جب دوپٹہ بہت باریک ہو۔ چنانچہ بادل کے اندر، بجلی کا چمکنا، دوپٹے کے اندر سے نور تن جھلک آنے کی سچی اور مکمل تشبیہ ہے۔ جب نور تن کی وجہ تسمیہ پر نظر جاتی ہے کہ اس میں ہیرا، موتی، لعل، نیلم، پکھراج، مونگا، زمرد، یاقوت اور لاجورد، نو جواہر جڑے ہوتے ہیں تو اس زیور کی چمک کی بجلی سے تشبیہ مکمل بن جاتی ہے۔ دل مہجور کو اجاڑ بن سے تشبیہ دینا، میرے خیال میں شاعرانہ اور سچی مصوری کا انتہائی کمال ہے"۔(۲۴)

ان کی ایک مسلسل غزل جس میں پری کے حسن اور سراپا کو محبوب کے حسن اور سراپا کے تصور میں بڑی خوب صورتی سے پیش کیا گیا ہے۔

پیکر تراشی کا عمل اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں تصویر اپنی تمام تر حسیاتی خوبیاں نہ پاتی ہو۔ ان کی ایک غزل کے چند اشعار اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ محبوب کے حسن کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ دل فریب بصری پیکر تراشتے ہیں تو حسن دوبالا ہو جاتا ہے:

سحر جو نکلا میں اپنے گھر سے تو دیکھا اک شوخ حُسن والا
جھلک وہ مکھڑے میں اُس صنم کے کہ جیسے سورج میں ہو اجالا
وہ زلفیں اس کی سیاہ پُر خم کہ اُن کے بل اور شکن کو یارو
نہ پہونچے سنبل، نہ پہونچے ریحان، نہ پہونچے ناگن، نہ پہونچے کالا

ادائیں بان کی عجب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا
بھنویں وہ جیسے کھنچی کمانیں، پلک سناں کش، نگاہ بھالا
وہ آنکھیں مست اور گلابی اُس کی کہ اُن کو دیکھے تو دیکھتے ہی
مے محبت کا اُس کی دل کو ہو گیا ہی گہرا نشہ دوبالا
وہ جامہ زیبی، وہ دل فریبی، وہ سج دھج اس کی، وہ قد زیبا (۲۵)
کہ دیکھ جس پر فدا ہوں دل سے وہ جن کو کہتے ہیں سرو بالا

صنم کا مکھڑا کو سورج کی چمک سے تشبیہ دینا، سیاہ خم دار زلفیں اور ان کے بل و شکن اور خوش بو کو سنبل وریحان اور ناگن وکالے سے تشبیہ دے کر اپنے زور بیان کو دل کش بنایا ہے۔ ان اشعار میں بصری امیجری کے ساتھ ساتھ شاماتی پیکر بھی بنتا ہے۔ بھنوؤں کو کھنچی ہوئی کمان سے پلکوں کو سناں کش سے اور نگاہ کو نیزے سے تشبیہ دے کر ایسا منظر پیش کیا ہے کہ آنکھیں ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ آنکھوں کی مستی سے محبت کا نشہ دوبالا ہونا قوتِ باصرہ کی حس کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ لباس کا حسن، دل فریبی اور چمک دمک اور سرو قد۔ ان تمثالوں کو بغور دیکھا جائے تو ایک ایک شعر بصری حس کو متحرک کرتا ہے اور نظروں کے سامنے چلتی پھرتی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔

یہ ساری غزل تشبیہات سے بھری پڑی ہے۔ اس غزل کی ایک دوسری خوبی یہ بھی ہے کہ نظیرؔ نے اردو کے علاوہ فارسی، ہندی سمیت دوسری زبانوں کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ حسن پر شوخ تمام تر حسین رعنائیوں کے ساتھ نظروں کے سامنے جھلکتا ہے۔ نظیرؔ کی تشبیہات کا کمال یہ ہے کہ وہ مشبہ اور مشبہ بہ کے ساتھ غرض تشبیہ کو مکمل اور پورا بیان کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے امیج پُر کشش ہوتے ہیں۔ تشبیہ کے حوالے سے ڈاکٹر مزمل حسین کا خیال ہے:

> "تشبیہ کے بیان میں "غرض تشبیہ" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ تشبیہ میں غرض تشبیہ وہ مقصد ہے جس کے لیے مشبہ کو مشبہ بہ سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ یہ مقصد عموماً یہ ہوتا ہے کہ مشبہ کا حسن و قبیح واضح ہو یا اس کا وجود ممکن ہو جائے اور مشبہ کا حال سننے والے کے ذہن نشین ہو جائے۔" (۲۶)

نظیرؔ کا حواسِ خمسہ میں سب سے زیادہ رجحان بصری حس کی طرف ہے۔انھوں نے آنکھوں دیکھا حال اور قوتِ مشاہدہ سے تخیل کے زور پر جان دار اور پر کشش بصری پیکر تشکیل دیے ہیں۔ نظیرؔ کے بصری پیکر بولتی تصویروں کی مانند ہیں۔ قوتِ بصارت کو ہر موقع پر متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ان کے بصری پیکر ان کی قوتِ مشاہدہ کا عملی ثبوت ہیں۔ بصری پیکروں کو اجالنے کے لیے نظیرؔ نے فنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ رنگ، حرکت، شکل، مناظرِ فطرت، محبوب کا سراپا، روشنی، چمک، چاندنی، سیمابی کیفیت، ابر، زلف، ابر، ناز وادا سمیت بہت سے بصری پیکر تخلیق کیے ہیں۔ آفتاب و مہتاب اور خورشید کے استعاروں نے بصری تمثالوں کو نورانی شکل میں اس طرح پیش کر دیا ہے کہ قاری ہم نوا اور ہم خیال بن کر نظارہ کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شمس الرحمن فاروقی، شعر غیر شعر، نثر، الہ آباد، ۱۹۷۳ء، ص ۳۰

۲۔ اُردو لغت، (تاریخی اصول پر) جلد ہشتم، اُردو لغت بورڈ ترقی اردو کراچی، س ن، ۱۳۹

۳۔ مولوی فیروزالدین، فیروز اللغات اُردو، ص ۵۶۹

۴۔ مولانا عبدالرحمن، مراۃ الشعر، مقبول اکیڈیمی، لاہور، ۱۹۸۸، ص ۱۴۲

۵۔ سید عابد علی عابد، اسلوب، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۱۶، ۲۱۵

۶۔ مولانا عبدالباری آسی، کلیاتِ نظیرؔ، مکتبہ شعر وادب، سمن آباد، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۷۵

۷۔ ملک زادہ منظور احمد، انتخاب غزلیات نظیرؔ اکبر آبادی، اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ، ۱۹۹۴ء، ص ۵۲

۸۔ مولانا عبدالباری آسی، کلیاتِ نظیرؔ، ص ۸

۹۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۲

۱۱۔ سید محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی، نظیرؔ نامہ، مشہور آفسٹ پریس، کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۴۲۰

۱۲۔ مولانا عبدالباری آسی، کلیاتِ نظیرؔ، ص ۱۵

۱۳۔ اکبر علی بیگ، نظیرؔ شناسی، شعر و حکمت، حیدر آبا (دکن) ۱۹۸۷ء، ص ۲۸۵

۱۴۔ مولانا عبدالباری آسی، کلیاتِ نظیرؔ، ص ۲۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۸

۱۶۔ پروفیسر نذیر احمد، تشبیہاتِ اقبال، اقبال اکادمی لاہور، پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۱۸۸

۱۷۔ شکیل الرحمٰن، نظیرؔ اکبر آبادی کی جمالیات، ص ۲۴، ۲۳

۱۸۔ رشید حسن خان، انتخاب نظیرؔ اکبر آبادی، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، معیاری ادب، ۱۹۸۵ء، ص ۲۰۲

۱۹۔ مولانا عبدالباری آسی، کلیاتِ نظیرؔ، ص ۱۷۴

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۵

۲۱۔ ایضاً

۲۲۔ ملک زادہ منظور احمد، انتخاب غزلیات نظیرؔ اکبر آبادی، ص ۱۷

۲۳۔ مولانا عبدالباری آسی، کلیاتِ نظیرؔ، ص ۱۴۳

۲۴۔ سید محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی، نظیرؔ نامہ، ص ۴۳۱

۲۵۔ مولانا عبدالباری آسی، کلیاتِ نظیرؔ، ص ۲۰

۲۶۔ ڈاکٹر مزمل حسین، اُردو میں علم بیان اور علم بدیع کے مباحث، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۹۵